

علم حدیث اور اسماء الرجال

لفظ حدیث کا اطلاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول یا فعل یا تقریر پر ہوتا ہے۔ اثر، خبر، اور سنت کے الفاظ بھی انہی معنوں میں مستعمل ہیں۔ حدیث کا لفظ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے کلام اور افتادات کے لیے پسند فرمایا، تاکہ آپ کے اور دوسرے لوگوں کے کلام اور اقوال میں امتیاز ہو سکے اور آسانی سے نشان دہی کی جاسکے کہ یہ آنحضرت کا فرمان ہے، اور یہ کسی اور کا قول ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دینی روایات کے اس دل آویز اور ضوفاشاں ذخیرے کو جو آنحضرت کے فرامین پر مشتمل ہے ”حدیث“ کے نام سے موسوم کیا گیا اور ”علم“ ”علم الحدیث“ کہلایا۔

پھر آگے چل کر علم حدیث میں اس درجہ وسعت اور تنوع پیدا ہوا کہ اس سے متعدد علوم، عالم وجود میں آئے اور اس شجرہ طیبہ کی طویل و عریض شاخوں سے گونا گوں اور بوقلموں اصنافِ علم کو اپنے سایہ عاطفت میں لیا اور پریدان چڑھایا، ان علوم میں ایک نہایت بنیادی، اور ضروری علم ”اسماء الرجال“ کا ہے، جس کی علم حدیث کے ساتھ بدرجہ غایت گہری وابستگی ہے جب ہم حدیث کا لفظ بولتے ہیں تو ذہن میں بلا کسی ادنیٰ توقف کے فوراً اسماء الرجال کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ اس علم کی کیا تحریف ہے اور اس کے حدودِ اطلاق کیا ہیں؟
مختصر الفاظ میں یوں سمجھیے کہ روایت حدیث کے حالات و کوائف سے آگاہی حاصل کرنا اور ان کی سیرت و سوانح اور تراجم و احوال کو معرض بیان میں لانا ”فنی اسماء الرجال“ یا ”علم اسماء الرجال“ کہلاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر صحابہ کرام کے عظیم الشان جہان میں خطبہ دینے ہوئے ارشاد فرمایا: **مخاکہ :**

فلیبلغ الشاهد الغائب : یعنی جو لوگ اس مجمع میں موجود ہیں، جو میری زندگی کے قبل نہ ہو

سے واقف ہیں، جنہوں نے اپنی آنکھوں سے میرے عمل و کردار کا مشاہدہ کیا ہے اور جانتے ہیں کہ ان کے سامنے میری حیاتِ دنیوی کس انداز کی رہی ہے، ان کا فرض ہے کہ وہ یہ سب باتیں ان لوگوں تک پہنچا دیں جو اس وقت کسی وجہ سے یہاں موجود نہیں ہیں، یا ابھی اس عالم آ رہے ہیں۔

چنانچہ حضور کے جانِ نثاروں اور آپ کے ہر قول و فعل کی حفاظت کرنے والی عالی قدر جماعت نے جنہیں آپ کے صحابہؓ کہا جاتا ہے، آپ کے اس ارشاد کو آویزہ گوش بنایا۔ وہ مقدس جماعت، شانِ نبوت کی ایک ایک اونٹنی کے دل نواز سے نہ صرف واقف تھی، بلکہ اس پر دل و جان سے فریفتہ بھی تھی اور فریضہ رسالت کے پیوروں اور اس کی نزالتوں سے خوب آگاہ تھی۔

اس طائفہ مقدسہ نے حضورِ فداء ابی و امی کے آغازِ نبوت سے لے کر آپ کے وصال تک کے تمام واقعات، احوال و لواحق کے سلسلے کی تمام باتیں اور معاملات و عبادات سے متعلق تمام حکام اپنی اولاد، اپنے تلامذہ، اپنے اعزہ و اقارب، اپنے رفقاء و احباب اور ملنے والوں کو بلا کم و کاست سناتے۔ صحابہ کرام کے بعد ان کے جن شاگردوں نے اس مسند کو زینت بخشی۔ انہیں تابعین کہا جاتا ہے، تابعین نے بھی تبلیغ و تدریس حدیث میں اسی گرم جوشی کا ثبوت دیا اور نہایت دیانت کے ساتھ اس امانت کو جو انہیں اپنے اساتذہ یعنی صحابہ عظام سے ملی تھی، اپنے شاگردوں کے حوالے کیا۔ تابعین کے شاگرد تبع تابعین کہلاتے ہیں۔ تبع تابعین نے بھی انتہائی کوشش اور تسلسل سے یہ خدمت انجام دی اور اپنے سے بعد کے حضرات کو اس عظیم الشان دولتِ دینی سے مالا مال کیا۔ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے روح پرور حالات، آپ کے اقوال و معیارات اور اسوۂ حسنہ کو علمائے حدیث کی رفیع المرتبت جماعت نے اس سچے و اسلوب سے محفوظ و مدون کیا کہ دنیا کی پوری تاریخ میں اس کی نظیر نہیں پیش کی جاسکتی۔ انہوں نے روایات کی مدد سے حضور کے احوال و کوائف اور اعمال و اقوال کا ایک بے مثال گستاں سجایا اور اپنی ساعی جمیلہ سے معلومات کا ایک پیکرِ حسین لوگوں کے سامنے لا کھڑا کیا۔ اس سلسلے میں علامہ شبلی کی یہ بات حقیقتِ حال کی بالکل صحیح عکاسی کرتی ہے کہ:

”مسلمانوں کے اس فخر کا قیامت تک کوئی حریف نہیں ہو سکتا کہ انھوں نے اپنے پیغمبر کے حالات و واقعات کا ایک ایک حرف اس استقصا کے ساتھ محفوظ رکھا کہ کسی شخص کے حالات آج تک اس جامعیت اور احتیاط کے ساتھ قلم بند نہیں ہو سکے اور نہ آئندہ اس کی توقع کی جاسکتی ہے۔“

جن برگزیدہ ہستیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و اعمال کو روایت کیا، یا جن شخصیتوں نے انھیں تحریر و کتابت کی سلک میں پرویا اور ان کے تحفظ و تدوین کی خدمت انجام دی انھیں روایت حدیث و آثار کے پُر شکوہ نام نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ان میں صحابہ کرام سے لے کر ان کے زمانے سے بعد تک کے بزرگانِ دین شامل ہیں۔ مشہور مستشرق سپرنگر کے محتاط انداز سے کے مطابق ان کی تعداد پانچ لاکھ تک پہنچی ہے۔ وہ خوش بخت لوگ جنھوں نے رسول اکرم کی زیارت اور ملاقات کا شرف حاصل کیا، ان میں سے کم و بیش بارہ ہزار افراد کے نام اور حالات، صفحات کتب میں پوری آب و تاب کے ساتھ نقش ہیں۔

ان راویوں سے جو روایات مروی ہیں وہ حدیث کی کتابوں میں جوں کی توں محفوظ ہیں، ان کتابوں میں صحاح ستہ، مسند امام احمد اور سنن ابن ماجہ وغیرہ خاص طور سے لائقِ تذکرہ ہیں۔ ان کے علاوہ، اور بہت سی کتابیں اس ذخیرہ دینی کو اپنے دامنِ صفحات میں سمیٹے ہوئے ہیں پھر سیرت اور مغازی کے موضوع کے متعلق متعدد کتابیں معرفی تصنیف و تالیف میں آچکی ہیں۔ سب سے پہلے روایات و احادیث کی جمع و تدوین کے سلسلے کی ابتدا ہوتی۔ اس کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز کے کھنڈے سے حضرت امام زہری رحمۃ اللہ علیہ نے مغازی اور سیرت کے بارے میں ایک مستقل کتاب تصنیف کی، جو اس فن کی پہلی کتاب ہے۔ بعد ازاں مغازی اور سیرت کے موضوع سے متعلق کئی کتابیں ضبط تحریر میں آئیں۔

حدیث، تفسیر اور سیرت وغیرہ کے سلسلے کا بہت سا مواد خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک ہی میں متعدد صحابہ کی کوشش سے صفحاتِ قرطاس میں آگیا تھا، عہدِ صحابہ و تابعین میں اس ضمن میں مزید تگ و تازہ ہوئی، اور جن لوگوں کے پاس زبانی یا تحریری طور پر یہ موجود تھا، ان سے حاصل کر کے انتہائی احتیاط کے ساتھ جمع کیا گیا۔ وہ اس باب میں ہر سنی سنائی بات کو شائستہ التفات نہ گردانتے تھے، کیونکہ ان کے پیشِ نگاہ ہر وقت حضور کا یہ ارشاد رہتا تھا۔

کھنایا بالمد و کذابان یحدث بکل ما سمع۔ یعنی کسی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات آگے بیان کرنا شروع کر دے۔ انھوں نے روایات کے اخذ و قبول کے لیے انتہائی کڑی شرائط وضع کیں اور سخت قسم کے اصول مقرر کیے۔

اصحاب حدیث نے روایات کے اخذ و قبول کے جو اصول و قواعد وضع کیے اور جو پیمانے اور حیا مقرر کیے، ان میں ایک یہ ہے کہ اس راوی کی روایت کو قابل قبول ٹھہرایا جائے جو خود شریک واقعہ اور اس روایت کا راوی اقل ہے۔ اگر بالفرض وہ خود شریک واقعہ نہیں تو ان تمام راویوں کا سلسلہ محفوظ ہونا ضروری ہے جو شریک واقعہ تک ساری بات پہنچا دیں۔ اس کے علاوہ یہ بھی لازمی ہے کہ تمام راویان واقعہ کے نام ترتیب کے ساتھ بیان کیے جائیں۔ اصل واقعہ تک پورے سلسلہ روایت میں کہیں انقطاع پیدا نہ ہو۔ پھر اس بات کا اہتمام بھی ضروری ہے کہ کامل تحقیق و تفحص کے بعد یہ فیصلہ بھی کر لیا جائے کہ سند میں جن راویوں کے نام لیے جا رہے ہیں، وہ کون لوگ ہیں؟ حفظ و اتقان میں ان کا کیا مرتبہ ہے؟ روایت و درایت میں کس درجے کے حامل ہیں؟ کس قسم کی فہم و فراست کے مالک ہیں؟ ان کی عدالت و صداقت کیسی ہے؟ ثقاہت و سربت میں ان کا کیا مقام ہے؟ معاملات میں کس پایہ کے لوگ ہیں؟ مذہب و مسلک اور عمل و عقیدہ میں ان کا رجحان کیا ہے؟ باریک بین اور دقیقہ رس ہیں یا کند ذہن اور غبی؟ کب پیدا ہوئے؟ کہاں پیدا ہوئے؟ عہد شباب کس طرح گزرا؟ زمانہ کبوت کس طرح بسر ہوا؟ شیخوخت اور پیری کی منزلیں کہاں طے ہوئیں اور کس انداز سے ہوئیں؟ تعلیم و علم کے مراحل کس نہج سے گزرے؟ کن اساتذہ سے تحصیل کی؟ طالب علمی کا زمانہ کیسا تھا؟ نشست و برخاست زیادہ تر کن افکار و خیالات کے لوگوں کے ساتھ رہی؟ علم و تحقیق کے کس مرتبہ پر فائز تھے؟ شب و روز کس ماحول میں بسر ہوتے؟ رفقا و احباب کس قسم کے تھے؟ دلچسپیوں کا اصل محور کون لوگ تھے؟ مغلل تو نہ تھے؟ خلفاء ملک سے کوئی تعلق رکھتے تھے یا نہیں؟ اگر رکھتے تھے تو مملکت اور خوشامدی تو نہ تھے؟ زہد و عبادت کا کیا حال تھا؟ اعزہ و اقارب سے کس قسم کے تعلقات رکھتے تھے؟ متساہل تھے یا نہیں؟ توہمات کا شکار تھے یا نہیں؟ کسی معاملے میں

اختیاط کا دامن باندھ سے چھوٹتا تھا یا نہیں؟ راوی سفیہ یا خاتر العقل تو نہیں تھا؟ اگر اسے سفاہت کا عارضہ لاحق ہو گیا تھا تو اس کی کون سی مرویات دوسرا سفاہت سے پہلے کی ہیں اور کون سی بعد کی؟ اس میں اختلاف تھا یا نہیں؟ راوی کا تعلق اہل ہویٰ یا نادقبہ سے تو نہیں تھا؟ مزاج میں عبوسیت یا بیوسیت پائی جاتی تھی یا نہیں؟ توازن و اعتدال کا کیا حال تھا؟ غرض ہر راوی کے بارے میں اس قسم کی جزئیات اور تفصیلات کی چھان بین کی جاتی تھی۔

یہ تھے وہ پیمانے اور معیار جو مختلف محدثین نے قائم کیے اور انہی کی روشنی میں اخذ و قبول و تواتر کے اصول مقرر فرمائے۔

پھر روایات کے مدارج اور طبقات قائم کیے۔ ظاہر ہے بعض راوی ذہانت و فطانت اور فہم و فراست کے بدرجہ غایت اور بچے فرازون پر ناز تھے اور انتہائی دقیقہ رس اور اصحاب عدل و صدق تھے، اور بعض حضرات ان اوصاف و کمالات میں کم درجے کے حامل تھے۔ اس کے لیے طبقہ اولیٰ، طبقہ ثانیہ، طبقہ ثالثہ اور طبقہ رابعہ وغیرہ کی اصطلاحیں معرض وجود میں آئیں اور جو کوئی، جس طبقے یا درجے کا مالک تھا، اسی کو اس چوکھٹے میں موزوں کیا گیا۔

یہ طبقات سنن کے اعتبار سے بھی ہیں اور حفظ و عدالت کے اعتبار سے بھی۔!

محدثین عالمی مقام نے یہ خدمت نہایت دیانت داری اور بلا خوفِ لومۃ لائم سرانجام دی۔ راویوں کی تدلیس کی وضاحت کی، ان کی مراسیل کی نشاندہی کی اور ثبوتات کو صراحت سے بیان کیا، راویوں کے ضعف و غرابت کو واضح فرمایا، اور ان کے ذہول اور نسیان کو اجاگر کیا، ان کے منصب فی المذہب کو صاف الفاظ میں نمایاں کیا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا معاملہ تھا اور اس میں کھرے کھوٹے کا امتیاز اسی طرح ممکن تھا۔ اس کے علاوہ اس کے تحفظ و استناد کو یقینی صورت نہ تھی۔

اگر کسی راوی میں محدثین کی قائم کردہ شرائط پائی جاتیں تو اس کی روایت قبول کر لی جاتی، نہ اسے ترک کر دیا جاتا۔ اس ضمن میں یحییٰ بن سعید قطان سے کسی نے کہا:

اما تخشی ان یکون ھؤلاء الذین توکلت حدیثھم خصاواک یوم القیامۃ۔

کیا آپ اس بات سے نہیں ڈرتے کہ جن لوگوں کی روایت کو آپ نے توکل کیا ہے، وہ قیامت کے

روز آپ سے جواب طلبی کریں گے۔

اس کے جواب میں ان کے چچے تلے الفاظ یہ تھے :

لَا يَكُونُ هَؤُلَاءِ خَصْمِي أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ يَكُونَ خَصْمِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ لَمْ يَلَمْ تَذَابُ عَنْ حَدِيثِي ؟

یعنی ان لوگوں کے مجھ سے جواب دہی کرنے سے کہیں بڑھ کر یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم مجھ سے جواب دہی کریں اور پوچھیں کہ تم نے میری حدیث کا دفاع کیوں نہیں کیا ؟

پھر محدثین نے سند کا التزام کیا اور ہر روایت با اسناد بیان کی۔ ان کے نزدیک سند کو

دین کے جزو لاینفک کی حیثیت حاصل ہے۔ امام زہری کا قول ہے :

الاسناد من الدين لو لا الاسناد لقال فية من شاء بما شاء۔

اسناد کا محاذم کرنا دین کا حصہ ہے، کیونکہ اگر اسناد نہ ہو تو پھر حدیث کو ہر شخص جس طرح چاہے،

بیان کرے گا۔

عبداللہ بن مبارک، اس سے بھی آگے گئے ہیں، وہ فرماتے ہیں :

بيننا وبين القوم القولا ثم يعني الاسناد۔

ہم ہیں اور ان واقعین حدیث ہیں اسناد کا فرق ہے۔ یعنی ہم اسناد کا التزام کرتے ہیں اور

یہ لوگ اسناد کی پروا کیے بغیر جو جی چاہے بیان کر دیتے ہیں۔

روایت حدیث کے حالات و کوائف کا علم حاصل کرنے اور ان کو مختلف طبقات و درجات

میں منقسم کرنے میں محدثین نے بے پناہ کام کیا اور اس خدمت کی انجام دہی میں اپنی عمریں کھپا

دیں۔ انھوں نے دور دراز بلاد و امصار کے سفر کی صعوبتیں برداشت کیں، ہزاروں میل کی خاک

چھانی، طویل و عریض مسافتیں طے کیں۔ شہر شہر اور قریہ قریہ میں گھومے پھرے، رازیوں سے ملے،

اور ان کے بارے میں ہر نوع کی معلومات حاصل کیں۔ جو لوگ ان کے زمانے میں موجود نہیں تھے

اور ان سے پہلے وفات پا چکے تھے، ان سے ملنے والوں سے یا ان کے ذریعے سے دوسرے قابل

اعتماد لوگوں سے، جو ان کی مقرر کردہ شرائط پر پورے اترتے تھے، ان کے حالات معلوم کیے اور

اس طرح وہ عظیم الشان فن معروض وجود میں آیا، جسے فن اسماء الرجال کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

یعنی وہ فن جو روایاتِ حدیث و آثار کے اسماء القاب، کنیتوں، سوانح حیات، ہیئت ادسا و صاف کرتا ہے، نیز ان کے بارے میں جرح و تعدیل اور ان کے طبقات و درجات کی تعبیر کا آئینہ دہی وہ فن ہے جس کے بارے میں معروف تشریق سپرنگر کا کہنا ہے کہ:

”دنیا میں نہ کوئی قوم ایسی گزری، نہ آج موجود ہے، جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الربو جیسا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو۔“

جن اسلافِ کرام نے اس اہم اور بنیادی کام کی تکمیل اور انجام دہی کا بیڑا اٹھایا، وہ اہل
دولہ کے نہایت محنتی اور انتہائی مستعد لوگ تھے، وہ اس سلسلے میں نہ کسی کے دباؤ میں آئے،
کوئی دنیوی حرص و طمع ان کے سید راہ ہوئی اور نہ کوئی بڑے سے بڑا مفاد ان کے قلم کی بے پند
رفتار میں رکاوٹ پیدا کر سکا۔ انھوں نے اپنی سعی بہیم سے حدیث کے بارے میں تمام شبہات
ازالہ کر دیا اور شک و شبہ کی کوئی صورت باقی نہیں رہنے دی۔ چنانچہ سمجھ جیسا متعصب مستشرق
یہ کہنے پر مجبور ہے کہ :

”یہاں سورج کی پوری روشنی جمع ہو گئی ہے جو ہر چیز پر براہ راست پڑ رہی ہے اور ہر شخص تک پہنچ سکتی ہے۔“

بلاشبہ وہ تمام حالات کتبِ اسلاف میں محفوظ ہو گئے ہیں، جن کا کسی بھی نبی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے کوئی بھی تعلق نہ تھا۔ ہم بلا جھجک کہہ سکتے ہیں کہ محدثین۔ جس لگن اور قلبی تعلق کے ساتھ اس فن کو لائقِ اعتناء ٹھہرایا اور جس محنت سے اس علم کو معراجِ کمال پر پہنچایا، اس میں کوئی دوسری قوم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ تو بلاشبہ سب کے سب عدول و صدوق تھے ہی، لیکن ان کے تلامذہ میں سے اور پھر ان کے تلامذہ کے تلامذہ میں سے بہت سے حضرات نمایاں ہو کر ابھریں جنہیں روایت پر جرح و تعدیل کے بہت بڑے امام مانا جاتا ہے۔ مثلاً بہ ترتیب زمانی ان میں سے بعض ائمہ کے اسمائے گرامی یہ ہیں :

سعید بن مسیب، سعید بن جبیر، شعبی، محمد بن سیرین، سلیمان، انش، انصر، شعبه، سفیان ثوری،
حماد بن سلمہ، لیث بن سعد، امام مالک، عبد اللہ بن مبارک، بشیر بن مفضل، وکیع بن جراح، و

علم حدیث اور اسماء الرجال

۳۳

سفیان بن عیینہ -

فن اسماء الرجال اور اس سلسلے کی کتابوں کا مطالعہ کرنے سے پتا چلتا ہے کہ اس موضوع پر غالباً سب سے پہلے ابو سعید خدریؓ میں سے سعید بن خدریؓ نے کتاب لکھی۔ ان کی وفات ۸۸ھ کو ہوئی لیکن یہ کتاب اب نایاب ہے۔ ان کے شاگردوں میں یحییٰ بن عیینہ، امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، امام بخاری، امام مسلم اور امام ابوداؤد سمعانی کے اسماء نے گرامری قابل ذکر ہیں :

اسماء الرجال کے سلسلے کی جو کتابیں دست یاب ہیں، ان میں سب سے پہلے امام بخاری کی تالیفات ہیں جن کے نام یہ ہیں :

التاریخ الکبیر، التاریخ الصغیر، الضعفاء الصغیر، کتاب المفردات والوحدان - پھر مختلف خطوں نے ان کتابوں کے ذیل لکھے : امام دارقطنی اور ابن محبوب الدین نے التاریخ کا کلمہ لکھا، خطیب بغدادی نے الموضع لاویام الجمع والتفریق کے نام سے تعقیب لکھا، ابن ابی حاتم نے التاریخ پر استدراک پر قلم کیا :

اسی فن میں امام بخاری کے بعد امام مسلم نے کتاب المفردات والوحدان تصنیف کی، امام مسلم ہی کے زمانے میں احمد بن عبد اللہ بخلی نے کتاب الجرح والتعديل قلم بند کی - امام نسائی نے کتاب الضعفاء والمتروکین تالیف کی - یہ نہایت اختصار کے ساتھ ان چار مشہور کتابوں کا ذکر ہے جو تیسری صدی ہجری کے اوائل تک اسماء الرجال کے فن میں لکھی گئیں -

چوتھی صدی ہجری کے مشاہیر محدثین میں سے جنہوں نے اسماء الرجال پر قابل قدر ذخیرہ چھوڑا، چار بزرگوں کے اسمائے گرامی لائق تذکرہ ہیں، ان میں سے ایک محمد بن احمد بن خمار اللؤلؤی ہیں، جو ۳۱۰ھ میں فوت ہوئے اور کتاب الاسماء والکنی تصنیف کی، اس کتاب میں راویان حدیث کے ناموں اور کنیتوں کی وضاحت کی گئی ہے - دوسرے ابن ابی حاتم جو الجرح والتعديل کے مصنف شہیر ہیں - اس کے علاوہ کتاب الکلی اور کتاب المرسل بھی ان کی تصانیف ہیں، جو اسی موضوع پر مشتمل ہیں - تیسرے امام دارقطنی ہیں جنہوں نے ۳۸۵ھ میں وفات پائی اور ضعیف راویوں کے حالات میں کتاب تالیف کی - اس کتاب کا قلمی نسخہ موجود ہے - اسی صدی کے چوتھے بزرگ ابو احمد علی بن عدی بن علی قحطان ہیں جن کا سال وفات ۳۶۵ھ

ہے۔ انھوں نے فن اسماء الرجال پر الکامل فی الجرح والتعديل کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ اس کتاب کو الکامل فی معرفۃ الضعفاء والمتروکین کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے بعض لوگوں نے اس کا نام الکامل فی معرفۃ الضعفاء والمتحدین بھی لکھا ہے۔ منافین کے نزدیک یہ کتاب اپنے فن کی نہایت مقبول اور معترف کتاب ہے۔ امام دارقطنی اس کتاب کی افادیت کے بہت معترف ہیں۔ اس کتاب کے بھی قلمی نسخے موجود ہیں۔ ابن القیسرانی محمد بن طاہر مقدسی نے اس کا ایک ذیل بھی لکھا ہے۔ اس کتاب پر اور بھی متعدد اکابر اور اصحاب علم نے کام کیا ہے کسی نے اس کا ذیل لکھا اور کسی نے تلخیص کی۔

ابو احمد علی بن سعدی بن علی قطان کی ایک کتاب اسماء الصحابہ ہے۔ اس کا بھی قلمی نسخہ محفوظ ہے۔

اسی فن میں پانچویں صدی ہجری کے آغاز کے ایک مشہور محدث عبدالغنی مقدسی نے جن کا سن وفات ۴۰۹ھ ہے۔ الکمال فی اسماء الرجال کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ اس کی تہذیب و تکمیل یوسف بن نہدی مرزئی نے تہذیب الکمال فی اسماء الرجال کے نام سے کی۔ یہ کتاب بارہ جلدوں کو محیط ہے۔ تیرہ جلدوں میں ابو عبد اللہ علاء الدین الغلطائی بن قلیچ نے الکمال فی اسماء الرجال کے نام سے اس کا تكميد لکھا۔ پھر حافظ ذہبی نے اس کی تلخیص کی۔ ان کے علاوہ کچھ اور بزرگوں نے اس کی تلخیص بھی کی، اور بعض نے اس پر اضافے بھی کیے۔

پانچویں صدی ہجری کے بعض دیگر نامور اصحاب حدیث اور بلند پایہ ارباب قلم نے بھی اس موضوع پر کتابیں لکھیں۔ مثلاً امام بیہقی نے جن کا پورا نام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی ہے اور سن وفات ۴۵۸ھ ہے۔ ”کتاب الاسماء والصفات“ تحریر کی۔

دیباچہ اندلس کے معروف محدث ابن عبدالبر نے صحابہ کرام کے حالات میں ”الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب“ تالیف کی۔ ان کا پورا نام ابو عمر جمال الدین یوسف بن عمر بن عبدالبر ہے۔ قرطبہ کے اس عالم کو اس کے حفظ و اتقان اور وسعت علم کی وجہ سے ”احفظ اہل المغرب“ کہا جاتا ہے۔ ان کا سال وفات ۴۶۳ھ ہے۔

اس اہم موضوع کے چھٹی صدی ہجری کے مؤلفین میں سے امام ابن جوزی کی دو کتابیں لائق

تذکرہ ہیں۔ ایک کتاب الضعفاء والمتروکین اور دوسری اسماء الضعفاء والوضعیین۔ ابن جوزی نے ۵۹۷ھ کو وفات پائی۔ امام ذہبی نے ابن جوزی کی کتاب الضعفاء والمتروکین کی تلخیص بھی کی اور اس کے دو ذیل بھی قلم بند کیے۔

ساتویں صدی ہجری میں جن ائمہ عظام نے اس ضروری عنوان کو قابل توجہ ٹھہرایا، ان میں امام نووی کا اسم گرامی خاص اہمیت کا حامل ہے۔ ان کا سال وفات ۶۷۶ھ ہے۔ انھوں نے اس ضمن میں دو کتابیں لکھیں۔ ایک تہذیب الاسماء اور دوسری المہمات من رجال الحدیث۔ آٹھویں صدی ہجری کے جن اعظم رجال نے فن رجال کو بدف تحریٹھرایا، ان میں بعض حضرات کا ذکر ضروری ہے۔ ان میں ایک حافظ ذہبی ہیں، جن کا سن وفات ۷۴۸ھ ہے۔ ان کی اس موضوع سے متعلق کم سے کم چھ کتابوں کا پتا چلتا ہے، جن کے نام یہ ہیں: تذکرۃ الحفاظ، طبقات الحفاظ، المشتبه فی اسماء الرجال (اسے مشتبه النبتہ کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے) المغنی، انکشاف، میزان الاعتدال فی نقد الرجال۔

دوسرے مشہور مفسر و محدث حافظ ابن کثیر ہیں، ان کا پورا نام ابو الفداء عماد الدین ابن کثیر ہے، انھوں نے ۷۷۴ھ کو انتقال کیا، یہ امام ابن تیمیہ کے شاگرد ہیں۔ فن اسماء الرجال میں تکمیل فی معرفۃ الثقات والضعفاء والمجاہل، ان کی تصنیف ہے۔

نویں صدی ہجری میں بھی اس موضوع پر بہت کام ہوا۔ اس عہد کے ایک مشہور ماہر فن رجال ابن مزی نے تھے۔ ان کا پورا نام ناصر بن احمد بن یوسف فزاری بسکری ہے۔ انھوں نے ۸۲۳ھ میں وفات پائی۔ حافظ ابن حجر کا کہنا ہے کہ اس عالم حدیث نے تاریخ روایت حدیث کے بارے میں ایک بہت ضخیم کتاب تصنیف کی تھی، جو سو جلدوں کو محیط تھی۔ لیکن افسوس ہے یہ کتاب منتشر زمانہ کی نذر ہو گئی ہے۔

اس دور کے مشاہیر مصنفین میں سے ایک حافظ ابن حجر ہیں، جن کا سال ارتحال ۸۵۲ھ ہے۔ انھوں نے اس موضوع پر بڑا کام کیا اور اس سے متعلق قابل قدر کتابیں اپنی یادگار چھوڑیں جن میں الاصابہ فی تمییز الصحابہ، تہذیب التہذیب، تہذیب التہذیب، لسان المیزان وغیرہ لائق تذکرہ ہیں۔

بعض نویں صدی ہجری کے آثار یا دوسری صدی ہجری کے باطل آغاز میں حافظ سیوطی (متوفی ۹۱۱ھ) نے زاد المرآۃ فی تصنیف الکمالی کے نام سے اس موضوع پر کتاب لکھی۔ اس کے بعد اس باب میں تحقیق و تفحص کا یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔

حافظ سخاوی (متوفی ۹۲۰ھ) نے بھی اس سلسلے کو زیر بحث ٹھہرایا اور کتابیں لکھیں۔ بعض حضرات نے صرف صحاح کے راویوں کے بارے میں کتابیں لکھیں بعض نے فقط بعض یعنی صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے روایت پر کتابیں تصنیف کیں بعض نے المؤلف والمختلف وغیرہ نام کی کتابوں میں راویوں کے آپس میں ملنے جلتے ناموں میں التباس و اشتباہ کو رفع کرنے کی طرف غماز توجہ تلف کی۔

بعض مؤلفین نے 'الموضوع' کو موضوع بحث ٹھہرایا اور اس پر مستقل کتابیں لکھیں۔ یعنی ایسے روایات کا ذکر کیا جو اپنے نام، کیفیت، لقب وغیرہ میں سے کسی ایک کے ساتھ مشہور نہیں لیکن سلسلہ سند میں ان کا وہ مشہور نام یا لقب یا کنیت وغیرہ نہیں آیا، بلکہ غیر مشہور نام یا لقب آگیا ہے، ان کتابوں میں اصل حقیقت کی وضاحت کی گئی ہے۔

پھر مناسبتی وحدانیت کے ضمن میں بھی کتابیں تصنیف کی گئیں یعنی کسی شخص نے کسی وقت کوئی روایت بیان کی، لیکن بعد میں جب اس کو یہ روایت بتائی گئی تو وہ بھول چکا تھا۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ کچھ راویوں یا ان کے آباؤ اجداد کے نام یا کنیتیں یا لقب یا نسبتیں باہم ملتی جلتی ہیں۔ اس سے التباس و اشتباہ پیدا ہونے کا اندیشہ لاحق ہوتا ہے، اس کی وجہ سے اس کے لیے بھی محدثین نے مستقل کتابیں تالیف فرمائیں۔

فن اسماء الرجال پر تحقیق کا یہ سلسلہ پہلی صدی ہجری سے لے کر نویں صدی ہجری تک چلا۔ اس سے پہلے حدیث اور رجال پر پہلے پناہ کام ہوا، اور مختلف محدثین نے اس میں اپنی عمریں صرف کر دیں، آخری دور یعنی نویں صدی ہجری میں حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس موضوع سے متعلق بہت کام کیا، اسی آئینہ میں ابن ماری، حافظ سخاوی اور رام سیوطی نے اس فن کو مرکز تحقیق و تفحص ٹھہرایا، اور واقعہ یہ ہے کہ انہی حضرات پر یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔ ان کے بعد روایت حدیث پر کچھ کہنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ کیونکہ کوئی شخص اس علم میں اب مزید اضافہ نہیں کر سکتا اور نئی معلومات سے

سید اہل علم کو بہرہ ور کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اب زود و زور باقی رہا ہے اور نہ اس پر اضافہ ممکن ہے۔ اس موضوع پر استفادہ کے لیے لازماً ان ہی اصحاب حدیث کی تصنیفات سے رجوع کرنا پڑے گا۔ ان کتابوں میں روایت کے تراجم اور حالات اور ان کے ذہنی، علمی، فنی اور عملی کوائف کا پوری طرح استیعاب کیا گیا ہے۔

اس فن نے یہاں تک وسعت اور تنوع اختیار کیا کہ اہل علم نے ہر فن اور ہر مسلک کے رجال پر طبقات کے عنوان سے بھی متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ مثلاً طبقات القراء، طبقات الشعراء، طبقات المفسرین، طبقات الصوفیاء، طبقات الاولیاء، طبقات الحكماء، طبقات الاطباء، طبقات الخبائہ، طبقات الشافعیہ، طبقات المالکیہ، طبقات الحنفیہ، طبقات الاطباء، طبقات اللغویین، والعمامة، طبقات الخطاطین وغیرہ۔

لیکن چونکہ یہ کتابیں رجال حدیث سے متعلق نہیں ہیں، اس لیے اصطلاح میں ان پر اسماء الرجال کی کتابیں کا اطلاق نہیں ہوتا۔

شاید اہل علم نے بھی اس موضوع کو لائق اعتناء نہ قابل توجہ ٹھہرایا۔ ان کے ہاں اسماء الرجال پر جن لائق احترام حضرات نے کتابیں لکھیں، ان میں یہ بزرگ شامل ہیں، عبداللہ بن مسعود، شترمی، ابو عبداللہ بن جبہ الواقفی، ابو جعفر، احمد بن محمد البرقی، ابو عبداللہ محمد بن حسین مجاہدی، ابو عمرو محمد بن عمر ششی، ابن بابویہ، ابن الکوفی ابو العباس احمد بن علی بن احمد بن نجاشی صیرفی، عبداللہ بن محمد بن محمد بن عبد اللہ، مقانی، وغیرہ۔

ان کی تصنیفات میں سے معرفۃ اخبار الرجال، تنقیح المقال فی علم الرجال، نرج المقال فی احوال الرجال، منتهی المقال زیادہ مشہور ہیں۔ پھر ان کی تعلیقات اور دیول وغیرہ بھی موجود ہیں۔ یہ کیف علم حدیث کے ساتھ ساتھ اس اسماء الرجال کا گہرا تعلق ہے، اور اس پر محدثین عظام نے جو کام کیا ہے، وہ عدم المثال ہے۔ دنیا کی ادھر کسی قوم نے اپنے بزرگوں اور اسلاف کے حالات اور ان کے فضائل سے جمع نہیں کیے، جس طرح کہ محدثین نے کیے، انھوں نے اپنے اسلاف اور اکابر کے مصلحت تمام امور پر ترجیح کر کے رکھ دیا ہے اور انھیں بھولنے کی پوری وقفا گمزدی ہے۔

ان کا بہت بڑا کارنامہ جس پر فخر کیا جاسکتا ہے، یہ ہے کہ انھوں نے حدیث کی پچھان میں اور نقد و تفحص کے سلسلے میں خالص علمی انداز کی طرح ڈالی جس کی دوسری قوموں کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔

محدثین کی اس مساعی جمیلہ کے متعلق مشہور مستشرق گولڈزیئر بھی اپنے انتہائی تعصب کے باوجود یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہے کہ جن محدثین کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انھوں نے طلب حدیث کے جذبے سے متاثر ہو کر شہرق و غرب کا سفر اختیار کیا ہے، اس میں کسی مبالغہ آرائی کا دخل نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ محدثین کرام کو اس بنیادی دینی خدمت کی انجام دہی پر بہترین بدلہ عطا فرمائے۔ جزاھم اللہ عنا وین جمیع المسلمین۔
(بہ شکریہ ریڈیو پاکستان)

الفہرست : محمد بن اسحاق ابن نعیم و راقی : اردو ترجمہ : محمد اسحاق بھٹی

یہ کتاب پچھنی صدی ہجری تک کے علوم و فنون، سیر و رجال اور کتب و مصنفین کی مستند تاریخ ہے اس میں یہود و نصاریٰ کی کتابوں، قرآن مجید، نزولِ قرآن، جمع قرآن اور قرآن کے کرام فصاحت و بلاغت، ادب و انشا اور اس کے مختلف مکاتب فکر، حدیث و فقہ اور اس کے تمام مدارس فکر، علم منہوہ منطق و فلسفہ، ریاضی حساب، سحر و شعبہ بازی، طب و صنعت کیمیا وغیرہ تمام علوم، الزامیہ و اہلین اور اس سلسلے کی تحقیقات کے بارے میں اہم تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ نیز بتایا گیا ہے کہ اس دور میں دنیا کے کس کس خطے میں کیا کیا زبانیں رائج اور بولی جاتی تھیں اور ان کی تحریر و کتابت کے کیا اسلوب تھے۔ پھر ہندوستان اور چین وغیرہ میں اس وقت حوالہ دیا گیا ہے ان کو وضاحت کی گئی ہے۔

ترجمہ اصل عربی کتاب کے کئی مطبوعہ نسخوں کو سامنے رکھ کر کیا گیا ہے اور نگہ جان کروری حواشی بھی دیئے گئے ہیں۔ صفحات ۱۵۰، جمع اقتاریہ۔ قیمت ۱۰ روپے

ملنے کا پتہ : ادارہ ثقافت اسلامیہ، گلبرگ روڈ، لاہور